ہو جاتا ہے لیکن ان کا کلام شاید ہی اب تک کسی کی نظر سے گزرا ہو۔[1] ایک شعر:

وعدۂ وصل بھی ایک طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی ان کو کبھی یاد نہ ہو

بہت مشہور ہے، اور زبان زدِ خاص و عام ہے، وہ ان ہی کا ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ کلکتہ میں میرزا غالب کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخ رام پوری تھے۔ وہ مشاعروں میں مولانا ابوالکلام کی زبان سے غزلیں سنتے تھے۔ تو ان کو کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اپنی تصنیف کردہ غزلیں سناتے ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ امتحاناً ایک غزل کی فرمائش کی۔ اس وقت مولانا زیادہ سے زیادہ ۱۳، ۱۴ برس کے ہوں گے۔ مولانا ایک کتب فروش کی دکان پر بیٹھ گئے۔ اور بیٹھے بیٹھے فی البدیہہ چند شعر موزوں کر دیئے۔ اس وقت انہوں نے اسی بحر و قافیہ میں ایک شعر کی اور فرمائش کی۔ اور انہوں نے فوراً وہی شعر کہہ دیا جو اوپر نقل کیا گیا۔ شوخ رام پوری یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کم سنی میں یہ کمال لیکن مولانا آزاد نے اس قدرتِ سخن کے باوجود، شاعری سے زندگی بھر کوئی کام نہیں لیا۔ نثر نگاری کی جو قوت اللہ تعالےٰ نے ان کو ودیعت کی تھی وہ ان کے ملکۂ شاعری ہی پر نہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ ان کے دور کی پوری اردو شاعری پر غالب آ گئی۔ حسرت جیسا باکمال نغز گو شاعر کہتا ہے:

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر
شعرِ حسرت میں بھی مزہ نہ رہا

جب ان کی نثر نگاری، شاعری کا کام دے رہی تھی تو وہ شعر گوئی و قافیہ پیمائی کی زحمت کیوں گوارا کرتے۔ اگر شعر الہامی چیز ہے تو ابوالکلام کی نثر بھی الہامی ہے اور اس کا درجہ کسی طرح شاعری سے کم نہیں ہے۔ بلکہ جذبات کی شدت کے لحاظ سے شاعری سے بھی بڑھ گئی ہے حسرت ہی نہیں۔ اقبال و محمد علی تک ان کی نثر پر سر دھنتے تھے۔

[1] ان کے انتقال کے بعد کچھ غزلیں بعض اخباروں نے شائع کی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اہل حدیث شاعر ضرور ہوتے ہیں لیکن عموماً ان کا ذوقِ شعری جذبۂ دین کے نذر ہو جاتا ہے۔ مومن یوں تو کافی پڑھے لکھے تھے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں، حافظہ اور ذہن خداداد تھا۔ شاہ عبدالعزیز کی مجالس وعظ میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ اور جو کچھ وہاں سنتے تھے۔ وہ یاد ہو جاتا تھا اور سب از بر سنا دیتے تھے۔ فہم و ذہانت میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حریف تھے۔ طب بھی پڑھی تھی، اہلِ فن سے نجوم بھی سیکھا تھا۔ اور اس میں بڑی دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ اور اس پر ان کو فخر بھی تھا۔ فرماتے ہیں۔

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

رمل بھی جانتے تھے اور ریاضی میں بھی ان کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ لیکن شاعری ان کے تمام کمالات پر غالب تھی۔ اس لئے دوسرے علوم و فنون سے توغل اور اس سے بڑھ کر مذہب اور سید احمد شہید کی ارادت میں انہماک کے باوجود ان کا ذوقِ شعری باقی رہ گیا۔ اور اس میں انہوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ ان کا یہ شعر اردو شاعری کا شاہکار ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یعنی جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو میرا تصور تم کو میرے سامنے لا کر کھڑا کر دیتا ہے اور میرا لطفِ تنہائی بڑھ جاتا ہے۔

یہ شعر اس قدر بلیغ، اتنا برجستہ اور اس قدر مطابق فطرت ہے کہ میرزا غالب جیسا کہ ان کے شاگردِ رشید مولانا حالی کا بیان ہے فرمایا کرتے تھے کہ کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھ کو دے دیتا۔

یہ شعر سہل ممتنع کی بھی بہترین مثال ہے۔

جناب عبدالسمیع پال اثر صہبائی کا مجموعہ کلام خمستان شائع ہوا تو لوگوں نے اس غلط

شہرت کی بنا پر اس کو تعجب سے دیکھا کہ اہل حدیث اور شاعر لیکن وہ بلاشبہ اہل حدیث بھی تھے اور اہل حدیث زادہ بھی اور شاعر و سخن سنج بھی۔ اور وہ بھی ایسے کہ ان پر فارسی کے خیام و حافظ اور اردو کے میر و غالب کا اثر ہے۔ سید صاحب کا سیالکوٹ کے اس خانوادۂ فضل و کمال سے بہت قدیم تعلق تھا۔ چمنستان ان کے پاس آیا تو کلام کی پختگی اور تاثیر دیکھ کر پھڑک گئے۔ اور اپنے قلم سے اس پر تبصرہ لکھا۔ اتنا طویل کہ کئی صفحوں میں آیا۔ یہ تبصرہ اس دیوان کے ساتھ شامل ہے۔ اور سید صاحب کے ادبی مضامین کے مجموعہ نقوش سلیمانی کے طبع اول کی بھی زینت ہے۔

سیالکوٹ پنجاب کا ایک مردم خیز خطہ اور چمن زار کشمیر سے قریب ہے۔ وہ ہمیشہ سے علم و ادب اور فضل و کمال کا گہوارہ رہا ہے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اسی خاک سے اٹھے تھے۔ شاہجہان نے ان کی اتنی قدردانی کی کہ ان کو دو مرتبہ چاندی میں تلوایا۔ اور ان کی تصنیفات نے بلادِ ہند سے لے کر روم و تاتار تک شہرت حاصل کی۔ اقبال جس سے بڑا اسلامی شاعر پوری تاریخ اسلام میں آج تک نہیں پیدا ہوا اور جس نے اپنے متعلق خود کہا کہ

پیغمبر نیست کردہ و لیکن پیمبر نتواں گفت

اسی چمنستان علم و فن کا گل سر سبد تھا۔ مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کو تو اس خاک پاک سے ایسی نسبت ہے کہ سیالکوٹ کا نام جہاں لیجئے معاً مولانا کا نام نامی زبان پر آ جاتا ہے اسی میکدۂ علم و کمال کا ساقی ہمارا صہبائی ہے۔ جس کی شاعری کا جام و ساغر اس وقت اہل بزم کے کام و دہن کی تواضع کر رہا ہے۔ ان کے والد ماجد مولوی احمد دین صاحب پال جماعت اہل حدیث میں ایک ممتاز اور فاضل بزرگ گذرے ہیں، ان ہی کی مذہبی آغوش میں اثر صہبائی نے آنکھیں کھولیں۔ اور تعلیم کے سارے مراحل طے کرتے ہوئے ایم اے تک پہنچا۔ اور فلسفہ کی سند یونیورسٹی سے حاصل کی۔ لیکن اس کا کمال ایم اے ہونا اور فلسفہ کی ڈگری حاصل کرنا نہیں ہے کہ اس میں اس کے سینکڑوں اور ہزاروں شریک و سہیم ہوں گے۔ اس کا شاعر اور سخن سنج ہونا ہے۔ اور اسی وصف سے غالب نے اس کو علماء و فضلا کا ممدوح اور ہم جنسوں میں ممتاز کر دیا ہے۔ اس کی شاعری میں نشۂ صہبا بھی ہے

اور فلسفہ و حکمت بھی ہے اور اس حیثیت سے وہ اپنے ہم وطن شہرۂ آفاق شاعر حکیم علامہ اقبال کا جانشین ہے۔ فلسفی بھی ہے اور شاعر بھی۔

یوں تو انہوں نے ہر صنف کمال میں طبع آزمائی کی ہے۔ غزلیں۔ قطعات، رباعیاں مثنویاں سب کچھ کہی ہیں۔ اور ہر صنف میں اپنا فنی کمال دکھایا ہے۔ لیکن ان کی فطری شاعرانہ قوت و صلاحیت کا اصل جلوہ گاہ ان کی رباعیاں ہیں۔ جو ان کے کمالِ فن کی پوری مظہر ہیں۔ اور وہ بلاشبہ موجودہ دور میں اردو کے بہترین رباعی گو شاعر ہیں۔ جن پر اردو شاعری فخر کر سکتی ہے۔ دو ایک رباعی آپ بھی سن لیں۔ اس سے آپ کو ان کے پورے کلام کا اندازہ ہو جائے گا۔ بقیہ اصناف کلام کے لیئے آپ خود ان کے دیوان خمستان کا مطالعہ کیجئے۔ ناممکن ہے کہ آپ ان کا کلام پڑھیں اور متاثر نہ ہوں۔ اردو کے شعرا میں شاید ہی کسی نے ان سے بڑھ کر اقبال کا تتبع کیا ہو۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ کلام اثر کے بجائے نشید اقبال تو فردوس گوش نہیں ہو رہا ہے۔ غالب اور اقبال کی طرح ان کے کلام پر بھی فارسیت بے حد غالب ہے۔

افسانۂ درد ہے کہانی میری عنوان ہے خونابہ فشانی میری
ہوں تیشہ بکف مثالِ فرہاد اثر اک کوہِ گراں ہے زندگانی میری
اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے اثر جاتی ہے کہیں یہ بت پرستی میری

غزل کا بھی ایک شعر سن لیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پردے میں میر تقی میر بول رہے ہیں ؎

دنیا میں ہزاروں خوشیاں ہیں یہ دنیا عشرت خانہ ہے
اس بزم میں لیکن میرا ہی اک درد بھرا افسانہ ہے

یہ کتابیں ضرور منگائیے۔ صحیح بخاری شریف مترجم بین السطور فی پارہ دو روپے صحیح مسلم شریف مترجم مع شرح نودی فی جلد ۸ روپے ۱۴/۱ ابن ماجہ شریف اردو کامل ۱۲ روپے۔ غنیتہ الطالبین کامل اردو دس روپے۔ رسالہ بیس آدمی ختم ہوگیا ہے اب کوئی صاحب طلب نہ فرمادیں۔ رسالہ گیارھویں شریف مع پانچوں شریف چھپ کر آگیا ہے ایک ایک آنے والے چار ٹکٹ بھیج کر طلب کیجئے مکتبہ شعیب پریس روڈ کراچی ۱

تنقید و تبصرہ

حیات وحید الزمان | مؤلفہ مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی صفحات ۱۶۵ تقطیع ۲۶×۲۰/۸ کاغذ اعلیٰ ۔ طباعت بہتر ۔ قیمت ۴/۰/۰ روپے

ناشر: ۔ نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

نواب والا جاہ مولانا سید محمد صدیق حسن خاں قنوجی روحہ و نور ضریحہ نے قرآن و حدیث کی وسیع پیمانے پر اشاعت کے لیے گراں قدر علمی تصانیف خود ہی نہیں فرمائیں۔ بلکہ اس کے لیے علماء و فضلاء کی ایک جماعت بھی آپ نے تیار کر دی تھی۔ جو آپ کی راہ نمائی اور سرپرستی میں تبلیغ کتاب و سنت میں منہمک تھے۔ اس مقدس جماعت میں سر فہرست اسم گرامی وقار نواز جنگ، مولانا نواب وحید الزمان صاحب حیدر آبادی کا ہونا چاہیے۔

زیر تبصرہ کتاب ان ہی جناب مولانا وحید الزمان کی مفصل سوانح حیات ہے ۔ جو سات ابواب حسب و نسب[۱] تعلیم و تربیت، ملازمت[۲]، علوم سے شغف[۳]، اخلاق و عادات[۴]، ہجرت[۵] اور وفات، قومی خدمات[۶]، تصنیفات[۷] و تالیفات ۔ پر مشتمل ہے اور حق یہ ہے کہ پوری کتاب محنت اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہے۔ حواشی پر بڑی مفید اور ضروری معلومات ـــ حالات مفتی محمد عنایت احمد صاحب مصنف علم الصیغہ (ص۵) مولانا محمد بشیر الدین قنوجی استاد مولانا نواب سید محمد صدیق حسن خاں (ص۱۹) مولانا عبد الحق بنارسی (ص۲۱) مسئلہ خلافت و امامت ص۱۰۲-۱۱۱ وغیرہ ـــ جو دی گئی ہیں ان کی افادی حیثیت مستقل ہی ہے جو بہت اہم اور قابل مطالعہ ہیں۔ مولانا وحید الزمان ایک ایسے علمی خاندان کے ہونہار چشم و چراغ تھے جو ملتان سے منتقل ہو کر لکھنؤ اور پھر وہاں سے کانپور چلا گیا تھا۔ جہاں مولانا پیدا ہوئے تھے ذہن ایسا رسا پایا تھا کہ پندرہ سال کی عمر سے قبل ہی جب کہ ابھی طالب علم تھے نور الہدایہ شرح اردو شرح وقایہ لکھ ڈالی جس میں خاندانی طور پر فقہ حنفی سے شغف کی وجہ سے (ص۱۱) حنفی نقطہ نظر کو "مدلل" بنانے کی خوب خوب کوشش کی ہے (ص۱۱۶، ۱۱۷) لیکن جونہی مولانا محمد بشیر الدین قنوجی اور حضرت شیخ الکل فی الکل مولانا سید محمد نذیر حسین جیسے فقہائے محدثین کی خدمت میں علم حدیث کے لیے زانوئے تلمذ تہ کیا (ص۱۱) اور کتب حدیث سے مزاولت

اوران کے درس مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی تو آپ نے حنفی فقہ کو خیرباد کہہ دیا۔ اور مسلک اہلحدیث اختیار فرما لیا۔ اس کی اشاعت میں زندگی وقف کردی۔ اور حضرت نواب سید محمد صدیق حسنؒ کی راہنمائی و سرپرستی میں پورے صحاح ستہ کو اردو میں منتقل کردیا۔ بلکہ زندگی کے آخری دور میں فقہ حنفیہ کی ہدایہ جیسی کتاب پر ایک اچھوتی اور پُرمغز تنقیدی کتاب ــــ اصلاح الہدایہ ـ لکھکر نورالہدایہ کی تلافی کردی۔ جس کے سات حصے (ساتواں حصہ بھی نکاح وطلاق پر مشتمل ۱۳۳۲ھ میں مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوچکا ہے) آپ کی زندگی میں شائع ہوگئے تھے۔

مولانا وسیع المطالعہ عالم تھے اور ہر مزاج میں بقول مؤلف (۱۰۱) ایک نوع کا "تلون اور انتہاء پسندی بھی تھی ـــ ممکن ہے اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہوں ـــ جس کی بنا پر عقاید و عملیات میں ان کی بعض تحریریں عجیب سی ہیں جو بہت سے ناواقف اور معاندین کی غلط فہمیوں کا شکار ہونے کا سبب بن گیا ہے جن میں ایک آدھ پر جناب مؤلف نے بھی بہت عمدہ تنقید کردی ہے (ص۱۰۲-۱۱۱) اور سچی بات یہ ہے کہ ان منفردات میں مولانا حق بجانب نہیں۔ "تاہم ان کا جذبہ دینی اور خدمات کا پلڑا بھاری ہے۔ اور وہ بلاشبہ ایسی ہیں جن پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ غفر اللہ لہ وجعل الجنۃ ماواہ

یہ کتاب کیا ہے گل سدا بہار ہے! اے کاش کہ اس میں وہ چند "کانٹے" نہ ہوتے جو شاید اختلاف مسلک کی وجہ سے غیر شعوری طور پر جناب مؤلف کی کتاب میں آگئے ہیں۔ ـ اپیرایہ بیان اس سے مختلف ہوجاتا تو کیا مناسب نہ تھا۔

مثلاً اصلاح الہدایہ جیسی علمی کتاب کے "صفحہ صفحہ" سے جناب مؤلف کو "بے جا روایت پرستی کی بو آتی ہے" (ص۱۴۵) اور اس بات سے ان کو افسوس ہوا کہ مولانا نے "اس کتاب میں دقت نظر سے کام نہیں لیا" (ص۱۴۵) گویا "دقت نظر" یہ ہے کہ "غیر مقلدین کی شورش" ـــ اور "اعتراضات کا ایک ایک کر کے تار و پود بکھیرا اور نہایت مدلل جوابات دیئے" (ص۱۴۵) جائیں! اور "مسلک احناف کو نہایت محکم دلائل سے ثابت کیا" (ص۱۰۱) جائے مگر جب کوئی آپ کا شاگرد سوانح نگار یہ لکھے کہ "جوں جوں تحقیق آپ کی بڑھتی گئی تقلید کا مادہ گھٹتا گیا اور اب آپ سچے متبع کتاب و سنت ہیں" تو اس کی اہمیت کو یوں کم کرنے کی کوشش کی جائے کہ آپ اپنے "برادر بزرگ" مولانا بدیع الزمان کی صحبت اور حدیث کی کتابوں کے ترجمے کی وجہ سے غیر مقلد بن گئے تھے۔ (ص۱۰۱) اور پھر اپنے حلقہ کو متنبہ کیا جائے کہ موطاء کی